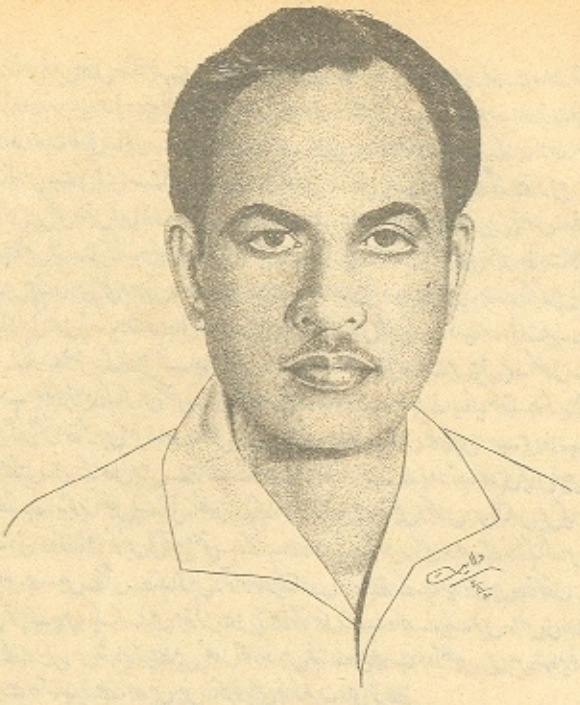

انٹرویو

مشتاق احمد قریشی

یہ ۱۹۵۶ء کی بات ہے جب میں نے تازہ تازہ میٹرک پاس کیا تھا۔ ظاہر ہے اس وقت میری عمر بھی وہی تھی جو عموماً میٹرک کے طالب علم کی ہوتی ہے۔ چونکہ میرا مزاج بچپن ہی سے کچھ روایت شکن اور جارحانہ تھا چنانچہ ... یہی افتادِ طبع مجھے جاسوسی ناولوں کی طرف لے گئی۔ میں نے میٹرک کرنے سے بہت پہلے ہی جاسوسی دُنیا کے ناول پڑھنا شروع کر دیے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ شعور آتے ہی جونہی آنکھیں کھولیں تو وہ جاسوسی دُنیا کے ناولوں ہی پر کھولیں۔ پھر یہ جنون اتنا بڑھا کہ میں جاسوسی دُنیا کے ناول لکھنے والے کا گرویدہ ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ میں اس مصنف سے ملاقات کے لیے بے چین ہو اُٹھا جس نے نادیدہ طور پر میرے ذہن کی تربیت کرنا شروع کر دی تھی۔

میرا یہی اضطراب بالآخر ایک دن مجھے جاسوسی دُنیا کے ناولوں کے مصنف محترم ابن صفی (مرحوم) کے در فیض پر لے گیا۔ یہ صحیح ہے کہ محترم ابن صفی سے میرا تعلق اُن کے قلم اُن کی تحریر کے حوالے سے ہی قائم ہوا لیکن جلد ہی میری عقیدت اور اُن کی محبت ایک ایسے رشتے میں گندھ گئی جس کی مثال مشکل سے ہے۔ اُنھوں نے ہمیشہ مجھے بہت عزیز رکھا اور خود بڑی بڑی بزرگی کے باوجود اُنھوں نے میری عزت کی۔ یہ اُن کے مزاج کا خاصا بھی تھا کہ وہ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کی عزت کرتے تھے۔ یہ اُن کی اعلیٰ ظرفی ہی تھی کہ اُنھوں نے ہمیشہ مجھے چھوٹے بھائی کی مانند سمجھا۔ میری ذہنی تربیت اور اخلاقی اقدار میں اُن کا بڑا ہاتھ ہے۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں، انہی کی محبت اور شفقت کے فیض کا نتیجہ ہے۔

میں اُس دَور کو کبھی نہیں بھُول سکتا، جب میں میٹرک کر کے فارغ ہُوا تھا اور مزید تعلیم جاری رکھنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ یہ اُس سخت گیری کا ردِّ عمل تھا جو والد صاحب اور بڑے بھائی صاحب نے میرے ساتھ روا رکھی تھی۔ میرے والد صاحب اور بڑے بھائی صاحب چاہتے تھے... کہ میں شب و روز، صرف نصابی کتابوں سے سر کھپاؤں اور ایک سال میں دو، دو کلاسیں پاس کر کے جلد از جلد اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان بن جاؤں۔ والد صاحب کو اس بات کی بڑی حسرت تھی۔ بھائی صاحب تو اس معاملے میں اتنے جذباتی ہو گئے تھے کہ صبح کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے مجھے شام کے اسکول میں بھی داخل کرا دیا تھا۔ (یہ میٹرک سے پہلے کی بات ہے۔) وہ چاہتے تھے کہ بس میں پڑھوں اور خوب خوب پڑھوں... جب کبھی میرے ہاتھ میں غیر نصابی کتاب دیکھ لیتے تو بڑی سختی سے باز پُرس کرتے۔ یہی سختی میری ذہنی بغاوت کا باعث بنی تھی اور میں نے نصابی کتب میں چھپا کر، ابنِ صفی مرحوم کی جاسوسی دُنیا کے ناول پڑھنا شروع کر دیے پھر اکثر ایسا ہونے لگا کہ میں نصابی کتب میں عمران سیریز یا جاسوسی دُنیا کا کوئی ناول پڑھ رہا ہوتا اور بھائی صاحب چوری پکڑ لیتے تو ناول چھین کر پھاڑ دیتے، وہ محلات میرے لیے بڑے صبر آزما ہوتے۔ ایک بار میں نے مارے طیش کے نصابی کُتب پھاڑ ڈالیں۔ مقدمۂ والد صاحب کی عدالت میں پیش ہُوا۔ اُنھوں نے مجھے سرزنش کی... اور ابنِ صفی صاحب مرحوم کو بُرا بھلا کہا کہ اس شخص نے لڑکے کا دماغ خراب کر دیا ہے، نہ جانے ایسا کیا لکھتا ہے کہ یہ لڑکا ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔ شاید اُن کو یہ گمان گزرا تھا کہ ابنِ صفی صاحب فحش و عریاں نگاری سے بھرپور ناول لکھتے ہیں، جب ہی طالب علم، نصابی کتابوں میں چھپا کر ناول پڑھتے ہیں۔ اُن کے سوال پر میں نے جرأت سے کام لے کر، والد صاحب سے کہا کہ آپ خود ہی کیوں نہیں پڑھ لیتے، معلوم ہو جائے گا، وہ شخص کیا لکھتا ہے۔ یہ تجویز اُنھیں پسند آئی۔ اُنھوں نے کہا۔ کوئی کتاب مجھے دو، میں دیکھوں، ان کتابوں میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے اُنھیں جو پہلی کتاب دی، وہ غالباً "دھُوئیں کی تحریر" تھی۔ وہ کتاب والد صاحب نے دو بار پڑھی اور پھر مجھے بُلا کر کہا کہ اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں جو قابلِ اعتراض ہو... میں نے اُن سے کہا کہ میں نہ تو سینما دیکھتا ہُوں، نہ کھیلنے کے لیے میدانوں میں جاتا ہُوں۔ جب نصابی کُتب سے اُکتا جاتا ہُوں تو چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھ کر یہ ناول پڑھنے لگتا ہُوں۔ میرے والد نے ایک طویل سانس لی اور فرمایا۔ "ٹھیک ہے، تم یہ کتابیں پڑھ سکتے ہو لیکن اس شرط پر کہ پہلے میں پڑھوں گا، بعد میں تم۔" انھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔ میں اس شرط پر فوراً راضی ہو گیا... اور پھر یہ ہونے لگا کہ پہلے وہ کتاب پڑھتے، بعد میں، میں۔ اکثر تو یہی ہُوا کہ صرف وہی پڑھتے۔

جب میں تعلیم سے فارغ ہُوا تو والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب تم بھی میرے ساتھ کاروبار میں شریک ہو جاؤ بلکہ بہتر یہی ہے کہ میرا کاروبار سنبھال لو۔ والد صاحب خود بھی چونکہ آبائی ٹرانسپورٹر تھے، لہٰذا اُن کا مجھ سے بھی یہی مطالبہ تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ تم نیا ذہن ہو، نیا خون ہو، تعلیم یافتہ ہو، لہٰذا ٹرانسپورٹ کو جدید تکنیک سے روشناس کراؤ اور جدید تقاضوں کے مطابق اس میں تبدیلیاں لاؤ۔

چونکہ مجھے ٹرانسپورٹنگ سے کوئی شغف نہیں تھا چنانچہ میں نے والد صاحب سے انکار کر دیا۔ چراغ پا ہُوئے مگر میری ضد نے اُنھیں مجبُور کر دیا کہ وہ مجھے کسی اور کاروبار کی اجازت دے دیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں کتابیں چھاپوں گا۔ بہت ناراض ہُوئے۔ بالآخر راضی ہو گئے اور پھر میں نے اپنا ایک اشاعتی ادارہ قائم کر لیا۔ یہ ادارہ، اُردو بازار کی ایک دُکان میں واقع تھا۔

ابنِ صفی صاحب سے نہ صرف میری ملاقات ہو چکی تھی بلکہ تعلقات بھی کافی استوار ہو چکے تھے۔ خاص طور سے اُن کے والد محترم صفی اللہ مرحوم مجھے بہت چاہتے تھے اور پبلشنگ سے متعلق مفید مشورے بھی دیتے رہتے تھے۔ ابنِ صفی صاحب کے مشورے میرے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوتے تھے، لیکن کچھ نوعمری اور کچھ ناتجربہ کاری کے باعث اس کاروبار کے پُرانے اور گھاگ لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور انجام کار ایک بڑا سرمایہ لُٹا بیٹھا۔ نتیجتاً والد صاحب کا ایک بار پھر اصرار بڑھا کہ میں دوسرے بھائیوں کی طرح، اُن کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو جاؤں کیونکہ آج تک ہمارے یہاں کسی نے ملازمت نہیں کی تھی، اپنا آزاد کاروبار ہی کیا تھا۔ لہٰذا والد صاحب نے مجھے بھی ملازمت کی اجازت نہیں دی۔

اس ضمن میں، مَیں نے محترم ابنِ صفی مرحوم سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ اُنھوں نے ایک مشفق اور مربّی کی حیثیت سے مجھے مشورہ دیا کہ چونکہ میں اپنی من مانی کر کے نقصان اُٹھا چکا ہُوں، جبکہ والدین نے میری ہر خوشی کو تسلیم کیا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ تم اپنے والدین کا کہا مان لو اور جو والد صاحب کہتے ہیں، وہی کرو۔ اسی میں تمھاری بہتری ہے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے اپنی بیگ ڈور، والد صاحب کے ہاتھ میں دے دی اور اس طرح میں اُن کے ساتھ کاروباری مصروفیات میں گھر گیا۔

تاہم پبلشنگ میرے لیے ایک نشے کی حیثیت رکھتی تھی۔ میں نے اُسے فرصت کے مشغلے کے طور پر اپنا رکھا تھا۔ سرمایہ بھی جھونک

رہا تھا اور نقصان بھی اُٹھا رہا تھا مگر یہ مشغلہ ترک کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ محترم ابنِ صفی بھی میرے اس طریقۂ کار پر مطمئن ہو گئے تھے... دراصل، وہ میرے لیے ایک اسکول تھے اور شاید اس اسکول کا میں سب سے ہونہار شاگرد تھا کیونکہ بعد میں، مَیں نے وہی پیشہ پھر اپنا لیا جس کو ابنِ صفی مرحوم نے اپنے لیے منتخب کیا تھا یعنی پبلشنگ... اور آج تک میں اسی پیشے سے وابستہ ہُوں۔

آج محترم ابنِ صفی مرحوم، ہم میں نہیں ہیں لیکن اُنھوں نے جو باغ لگایا تھا، میں اُس کی آبیاری پوری دیانت داری سے کر رہا ہُوں کیونکہ دیانت داری ہی ابنِ صفی کا اصُول تھا۔ اُن کے کردار کی بلند دیواریں آج بھی میرے گرد حصار کیے ہُوئے ہیں۔ میں کبھی کبھی خود کو بہت تنہا سمجھنے لگتا ہُوں کیونکہ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا تھا، جب میں اُن کے پاس نہ پہنچتا تھا... پورے دن کی رُوداد جب تک اُن کو نہ سُنا لیتا، مضطرب رہتا۔ اُن کا بھی یہی حال تھا۔ اگر دو روز بھی حاضری نہ دے پاتا تو مضطرب ہو کر خود چلے آتے۔

آج ایک ایسی بات قارئین کے گوش گزار کر رہا ہُوں جس کے بیان کا شرف صرف مجھے ہی حاصل ہے۔ قارئین بخُوبی جانتے ہیں کہ ابنِ صفی مرحوم کی تحریر، فحاشی و عُریانی سے پاک تھی۔ شاید وہ اُردو ادب کے واحد قلم کار تھے جنھوں نے عُریانی اور فحاشی کا مذموم سہارا لیے بغیر اپنی تحریر کو نہ صرف رُوشناس کرایا بلکہ عوام سے منوایا بھی۔ دراصل ہر تحریر اپنے مصنّف کے کردار، افکار اور اعمال کا پَرتو ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابنِ صفی مرحوم کے کردار کی پختگی اور مزاج کی شائستگی و شگفتگی نے تحریر کے حُسن کو کچھ زیادہ ہی مرصّع کر دیا ہے۔

ہاں تو ایک بار، بر سبیلِ تذکرہ، میں نے محترم ابنِ صفی مرحوم سے سوال کیا تھا کہ آپ کی تحریر دوسرے قلم کاروں سے مختلف کیوں ہوتی ہے؟ اُنھوں نے مختصر سا جواب دیا تھا۔ "میری تحریروں میں میرے ابّا بھی شامل ہوتے ہیں۔" اس وقت یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی... میرا خیال تھا کہ اُنھوں نے شاید مذاقاً کہا ہے لیکن ایک روز میں نے پھر اپنا سوال دُہرایا تو سنجیدگی سے بولے۔ "مثلاً کیا چیز میری تحریروں میں نہیں ہے؟" میں نے جواب دیا۔ "محبّت کرنے کا وہ انداز، وہ طریقے جو دوسرے تحریر کرتے ہیں۔" دراصل، میں سیکس کے بارے میں کہنا چاہتا تھا لیکن لحاظ کی وجہ سے کہہ نہ پا رہا تھا۔ میری بات سُن کر اُنھوں نے ایک دبا دبا سا قہقہہ لگایا (اُن کی بآوازِ بلند قہقہہ لگانے کی عادت نہ تھی۔ پُورا وجود ہنسی کی شدّت سے کانپ اُٹھتا تھا لیکن ہونٹ بھینچے رہتے تھے۔) پھر بولے۔ "ارے دیوانے! پہلے بھی بتا چکا ہُوں کہ میری تحریروں میں ابّا بھی شامل ہوتے ہیں۔ تم دیکھتے ہو، جو کچھ میں لکھتا رہتا ہُوں، وہ ساتھ ساتھ پڑھتے بھی رہتے ہیں۔ اگر میں کبھی کوئی معاشقہ لکھنا بھی چاہُوں تو ڈر کے مارے میرا قلم رُک جاتا ہے کہ اگر ابّا نے پڑھا تو نہ صرف یہ کہ ڈانٹیں گے بلکہ پھاڑ کر بھی پھینک دیں گے۔ اس لیے میں ایسا لکھتا ہی نہیں جو پہلے میرے لیے اور بعد میں دوسروں کے لیے زحمت کا باعث بنے۔"

پھر اس طرح ابنِ صفی مرحوم خود بھی اپنی تحریر میں شائستگی کے اتنے عادی ہو گئے کہ یہی بات اُن کی تحریر کا کمال بن گئی۔ اُن کے ابّا کا خوف، اُن کے قلم کی آبرُو بن گیا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے قلم کی تربیّت میں میرے والد کا اور میرے کردار و اخلاق اور مذہبی رجحانات کی تربیّت میں میری والدہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ وہ اپنے والدین کی تربیّت کا بہترین مرقّع تھے۔ اُن کے والد چونکہ فوج میں تھے، اس لیے اُن کے مزاج میں اصُول پسندی اور کسی حد تک تُند خوئی بھی پائی جاتی تھی۔ باوجود اتنی سخت گیری کے، ابنِ صفی مرحوم اپنے والد سے بے پناہ محبّت کرتے تھے اور اسی قدر اُن کا احترام کرتے تھے۔ میں شاہد ہُوں کہ وہ اپنے والد سے آنکھ مِلا کر بات نہیں کرتے تھے۔ اُن کے والد بھی اُن سے غافل نہیں رہتے تھے اور والدہ محترمہ کا تو یہ حال تھا کہ مرتے دم تک ابنِ صفی مرحوم کی تربیّت سے غافل نہیں رہیں۔ اس اعتبار سے ابنِ صفی مرحوم بہت خوش نصیب انسان تھے کہ اُنھیں اتنے پاکباز والدین ملے۔